قصہ موسیٰ وبنی اسرائیل کے صوفیانہ اسلوب کا تجزیاتی مطالعہ (تفسیر نعیمی کا اختصاصی مطالعہ)

An Analytical Study of the Mystical Style of the Story of Moses and the Bni Isrāel

(Specific Study of Tafeer e Nāimī)

Mufti Atta Ur Rehman,
Mphil scholar, Islamic studies department, Institute of southern Punjab, Multan:attaurrahmanqadri494@gmail.com

Dr. Hafiz M. Mudassar Shafique
Assistant professor, faculty of social sciences, department of Islamic studies, Lahore Garrison University, Lahore:drmudassar@lgu.edu.pk

Dr.Shahnawaz
Lecturer Islamic studies, Cadet College Choa Saiden, Chakwal
shahnawaz.ih@gmail.com

Abstract

Islam is a complete universal and comprehensive religion, it has made human life a topic of discussion and has given complete guidance on it whether it is related to politics or the formulation and implementation of laws, to economy or to society, to knowledge or to the welfare of human life, to a ruler or to his subjects, there is complete guidance of religion in every aspect. In view of this importance, our forefathers not only acquired the knowledge of the religion of Islam but as the true heirs of it, its publication enriched the people's moralities. Among the responsibilities of the Prophet Muhammad, are the recitation of verses, the teaching of the Book and wisdom and self-preservation which we refer to as character building and moral development. Self-purification means the building of personality, then it has a fundamental importance in the stability of the Ummah because the Muslim Ummah is a special collective, so only special people can be effective in its formation and these special people can be the same those who have purified themselves. It is the responsibility of the Muslim Ummah to maintain the system of self-purification. Islamic scholars, reformers and thinkers took up the task of reforming thoughts, teaching and training, teaching Book and wisdom and Sufis took the responsibility of purifying and training people. There is one such person in the subcontinent who is remembered by the name of Ahmad Yār Khān Naimi, who wrote a commentary on the Qur'an under the name of Tafsir Naimi and wrote it in a mystical style which is unique in terms of its style. In this article, the various incidents of Prophet Muses and Bni Isrāel have been discussed in the view of the mystical style of Tafseer Nāimi.

Keywords: Moses, Bni Isrāel, The story of Cow, Style of Tafseer Nāimi

بنی اسرائیل کا تعارف

بنی ابن کی جمع ہے اگرچہ ابن نطفے بیٹے کو کہا جاتا ہے مگر اصطلاح میں اولاد کے معنی میں بولا جاتا ہے خواہ بیٹی ہو یا بیٹا خواہ قریبی یا دور کے رشتہ دار ہوں جیسا کہ بنی آدم۔ جب کہ اسرائیل حضرت یعقوب کا لقب ہے یہ اپنے والد اسحاق کے خدمت گزار تھے ایک دفعہ حضرت اسحاق علیہ السلام گوشہ نشین ہوئے اور ان کو دروازے پر بٹھا دیا کسی کو اندر نہ آنے دینا۔ اچانک ایک مقرب فرشتہ انسانی شکل میں آیا اور حضرت اسحاق علیہ السلام سے ملاقات کا اظہار کیا۔ آپ نے منع کیا مگر وہ نہ مانا انہوں نے جبراروکا تو یہ شور سن کر حضرت اسحاق علیہ السلام دروازے پر آئے تو دیکھا حضرت یعقوب فرشتے سے جھگڑ رہے ہیں۔ انہوں نے فرمایا برخوردار یہ فرشتہ مقرب ہے اور فرشتے سے معذرت فرمائی کہ پہچانا نہیں۔ اس نے یعقوب علیہ السلام کی تعریف کی اور فرمایا خلافت کا حق اسی طرح ادا کرنا چاہیے۔ اور فرمایا کہ ہماری طرف سے ان کا نام اسرائیل رکھو۔ اسرائیل دو لفظوں سے بنا ہے اسرا کے معنی یا تو بندہ ہے یا برگزیدہ اور اہل زبان عبرانی میں حق تعالی کا نام ہے۔ لہٰذا اسرائیل کا معنی یا تو اللہ کا بندہ یا اللہ کا مقبول بندہ۔ چونکہ یہ نام فرشتے نے تجویز کیا اس لیے فرشتوں سے ملتا ہے جیسے جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل وغیرہ۔ انہی کے لیے اللہ نے قرآن میں زکر کیا ہے کہ جن کی اولاد پر نعمتیں کی گئی اور فضیلتیں بخشیں۔ سورہ البقرہ میں ارشاد ہے:

يَا بَنِي إِسْرَآئِيلَ اذْكُرُواْ نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ([1])

"اے اولادِ یعقوب! میرے وہ انعام یاد کرو جو میں نے تم پر کئے اور یہ کہ میں نے تمہیں (اس زمانے میں) سب لوگوں پر فضیلت دی۔"

قصہ بنی اسرائیل کا صوفیانہ اسلوب

ان کی اولاد کو اس لیے بنی اسرائیل بولا جاتا ہے نہ کہ بنو یعقوب کیونکہ یہ نام حضرت یعقوب کو خلافت کے صلہ میں ملا تھا۔([2])مزید جہاں تک حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کا تعلق ہے تو ان کے کل 12 بیٹے تھے ان 12 بیٹوں کی اولاد بہت ہوئی اور ان کے نام سے 12 قبیلے مشہور ہوئے ہر ایک قبیلے کو سبط کہتے ہیں جس کی جمع اسباط۔ ان قبیلوں میں بڑے اولوالعزم انبیاء علیہم السلام پیدا ہوتے رہے ہیں۔ جیسے موسیٰ، داؤد، سلیمان و عیسیٰ علیہم السلام انہی

[1]القران:47:2

Al Qurān:47:2

[2]مفتی احمد یار، تفسیر نعیمی، 277/1، لاہور، مکتبہ اسلامیہ، 1998

Muftī Ahmād Yār, Tafseer ē Naēmī, 277/1,Lahore: Maktabh Islāmīa,1998

قبیلوں کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ زمین میں مقرب مانے جاتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے زمانہ میں مدینہ منورہ اور خیبر میں بکثرت آباد تھے اب بھی کہیں کہیں پائے جاتے ہیں۔[3] مندرجہ بالا آیت میں اللہ تعالی نے بنی اسرائیل کو عام نعمتوں کے علاوہ خاص نعمتیں جو عطا کیں ان کا ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ من وسلویٰ، چشمے جاری کرنا اور تورات کا امین بنانا۔ جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کا بیان ہے اور آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی نبوت کا تذکرہ ملتا ہے یہ نعمتیں دراصل یہودیوں کے آباؤاجداد کو عطاء کی گئی تھیں لیکن یہ اولاد کے حق میں شامل ہوتی ہیں۔ کیونکہ انہی نعمتوں کی بناپر ہی عظمت وفضیلت حاصل ہوتی ہے اور خصوصا یہ نعمتیں ہی ان کی بقا کا سبب تھی۔ ان آیات میں جو اللہ تعالی نے ان کی نعمتوں کا ذکر کیا ہے تو اس کی مخالفت کرتے ہوئے بنی اسرائیل کو حیا آنی چاہیے اور اللہ تعالی کے احکام کی مخالفت سے باز رہنا چاہیے انہی میں سے ایک حکم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ہے کیونکہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اس وقت ہوتے تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے۔ جیسا کہ مسند کی حدیث میں ہے": حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر موسیٰ علیہ السلام اس وقت زندہ ہوتے تو ان کے لیے میرے اتباع کے سوا اور کچھ جائز نہ ہوتا".[4] ایک لمبی حدیث حافظ الہیثمی نے بھی بیان کی ہے جس کے آخر میں مسند احمد والے الفاظ ہیں جن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتباع کا ذکر کرتے بیان کی ہے۔[5]

مفتی احمد یار اس آیت کی صوفیانہ تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بظاہر بنی اسرائیل سے خطاب ہے لیکن در پردہ سارے مومنین کے لیے عام ہے ارواح مومنین کو خطاب ہے۔ اے لوگو! اس نعمت کو یاد کرو جو تم پر ہوئی اور وہ یہ کہ تم کو فیضان نبوت حاصل کرنے کے قابل بنایا اور پھر فقط قابل بنا کر چھوڑا نہیں بلکہ نبوت کے ظاہری اور باطنی فوائد کی شعائیں تم پر ڈالیں جن سے تمہارا قالب شریعت کے راستے پر اور قلب راہ طریقت کو عبور کر سکے۔ لہٰذا انہی آخر الزماں صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر ایمان لاؤ۔ کیونکہ یہ ان شعاؤں کا خاصہ ہے اور میں نے تمہاری جماعت کو جن میں انبیاء

---

[3] مفتی احمد یار، تفسیر نعیمی، 281/1،

Muftī Ahmād Yār, Tafseer ē Naēmī ,281/1

[4] احمد بن حنبل، امام، مسند احمد، 3/338، بیروت، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ، 1398ھ

Ahmād bīn Hambal,Musnad Ahmad,Bēruīt:Publishers, Maktaba Islāmīa, 338/3

[5] الہیثمی، نورالدین، حافظ، مجمع الزوائد، 1/174، مطبوعہ دار الکتب العربی، 1402ھ۔

Al Hysmī, Noor ud Dēn,Hafzī, Majma uz zwāid, 174/1, Dārul kutāb al arabī,1402Hd

علیہم السلام، صدیقین، شہداء اور صالحین سب داخل ہیں یہ نعمت دے کر باقی سارے عالم پر بزرگی دے دی۔ ([6]) مفتی صاحب مزید ایک دوسری صوفیانہ تفسیر بھی کرتے ہوئے لکھتے ہیں: کہ اسرائیلی اس لیے عالمین پر افضل ہوئے کہ انہیں نسبی طور پر انبیاء و اولیاء سے تعلق تھا۔ جن اسرائیلیوں نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے رشتہ غلامی جوڑا انہیں بزرگیوں پر بزرگی ملی۔ جنہوں نے یہ رشتہ توڑا وہ بدترین مخلوق ہوگئے۔ ان کی خاندانی شرافتیں ختم ہوگئی۔

مزید ایک مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ فرسٹ کلاس کا ڈبہ اگر انجن سے کٹ جائے تو اس کی کوئی وقعت نہیں۔ صوفیانہ قول لکھتے ہیں کہ اس شاخ میں پھل پھول لگتے ہیں جس کا تعلق جڑ سے ہے اس جماعت میں اولیاء ہوتے ہیں جن کا تعلق حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے ہو۔ دیکھو بنی اسرائیلیوں میں اولیاء ہوئے مگر جب ان کا دین منسوخ ہوا اور انہوں نے حضور علیہ السلام کی غلامی سے انکار کیا تو وہاں ولایت بند ہوگئی۔ ان میں حضرت آصف بن برخیہ، اصحاب کہف اور بی بی مریم جیسے لوگ پیدا نہیں ہوتے ایسے ہی اسلام کے 73 فرقوں میں صرف جماعت اہل سنت برحق ہے اسی میں اولیاء ہیں۔ ([7])

فرعون کے بنی اسرائیل پر مظالم:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَإِذْ نَجَّيْنَاكُمْ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوْءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ وَفِي ذَٰلِكُم بَلَاءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ([8])

"اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے تمہیں قوم فرعون سے نجات بخشی جو تمہیں انتہائی سخت عذاب دیتے تھے تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ رکھتے تھے، اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑی (کڑی) آزمائش تھی۔"

اس آیت میں اور اگلی آیات میں اللہ رب العزت نے بنی اسرائیل پر کی گئی نعمتوں کا ذکر کیا ہے اور ان میں پہلی نعمت بنی اسرائیل کو فرعون کے مظالم اور اس کے عذاب سے نجات عطا فرمانا ہے۔ امام ابن جریر لکھتے ہیں" : کہ

---

[6] مفتی احمد یار، تفسیر نعیمی، 306/1،

Muftī Ahmād Yār, Tafseer ē Naēmī,306/1

[7] مفتی احمد یار، تفسیر نعیمی، 307/1،

Muftī Ahmād Yār, Tafseer ē Naēmī,307/1

[8] ، القرآن، 49:2

Al Qurān:2:49

فرعون بنی اسرائیل کو عذاب دیتا تھاان سے طرح طرح کے کام لیتا تھا بعض سے مکان بنوانا، بعض سے کاشتکاری کرانا، بعض سے مزدوری لینااور جن سے کوئی کام نہ لیتاان سے جزیہ لیتا تھا۔"(9)بنی اسرائیل پر فرعون کی جو سختیاں تھیں بے پناہ تھیں۔ان کے بچوں کواپنی قوم کا غلام بنالیا، عورتیں فرعونوں کی خادمائیں تھیں۔جوان سے سخت کام کرتے پتھر ڈھوتے تھے،ان کی کمراور گردنیں زخمی ہو جاتے ہیں۔غریبوں پر ٹیکس مقرر تھا۔جو روزانہ شام وصول کیا جاتا جو ایک دن ٹیکس ادانہ کرتااس کے ہاتھ گردن کے ساتھ باندھے جاتے اور مہینہ بھراس مصیبت میں رکھا جاتا۔(10)

فرعون کانام:

یہاں ایک پہلو وضاحت طلب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور کے فرعون کانام کیا تھاجو بنی اسرائیل پر ظلم کرتا تھا کیونکہ بہت سے لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کے دور والے فرعون کو ہی بنی اسرائیل والا فرعون سمجھتے ہیں جو ٹھیک نہیں ہے۔کیونکہ ان دونوں ادوار میں تقریباچار سو سال کا فرق ہے۔دوسرا یہ ذہن میں رہے کہ فرعون در اصل مصر کے بادشاہ کا لقب ہے جیسے روم کے بادشاہ کا قیصر، فارس کے بادشاہ کا لقب کسری، حبشہ کے بادشاہ کا لقب نجاشی ترک خاقان کہلاتے ہیں، مسلمان بادشاہ کے لیے سلطان، سنہر و بادشاہ کے لیے راجہ اور جبکہ انگریز بادشاہ جارج کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس لحاظ سے یاد رہے کہ فرعون لقب ہے مصر کے بادشاہوں کا نہ کہ یہ نام ہے۔"امام ابن جریر طبری نے امام ابن اسحاق کے حوالے سے لکھا ہے کہ قرآن میں جس فرعون کا ذکر ہے اس کا نام ولید بن مصعب تھا"(11)چونکہ یہ خوبصورت تھااس لیے لوگ اس کو قابوس کہتے تھے جس کا معنی ہیں "روشن چنگاری" بہت سخت مزاج اور ظالم شخص تھا اور یوسف علیہ السلام کے دور میں جو فرعون تھااس کا نام ریان ابن ولید تھا.(12)**ابن جریر لکھتے ہیں:** کہ فرعون خواب دیکھا کہ بیت المقدس سے ایک آگ نمودار ہوئی اور مصر کے مکانوں کو لپیٹ میں لیتی ہوئی آئی اور قبطیوں کو جلاڈالااور بنی اسرائیل کو چھوڑدیا۔اس نے جادوگروں اور کاہنوں کو بلایااور اس خواب کی تعبیر معلوم

---

[9] محمد بن جریر طبری،امام،جامع البیان 214/1 بیروت مطبوعہ دارالمعرفہ
Muhammad Bin Jārīr Tabrī, Jāmi ul Biyān,214/1, Beruīt:publishers dar ul Marifā

[10] مفتی احمد یار، تفسیر نعیمی،317/1،

Muftī Ahmād Yār, Tafseer ē Naēmī,317/1

[11] محمد بن جریر طبری،امام،جامع البیان 217/1

Muhammad Bin Jārīr Tabrī, Jāmi ul Biyān,217/1

[12] تفسیر نعیمی:317/1

Muftī Ahmād Yār, Tafseer ē Naēmī,317/1

کی۔انہوں نے کہا جس شہر سے بنی اسرائیل آئے ہیں یعنی بیت المقدس وہاں ایک شخص پیدا ہو گا جس کے ہاتھ سے مصر کے لوگ مارے جائیں گے۔تب فرعون نے یہ حکم دیا کہ بنی اسرائیل کے ہاں جو لڑکا پیدا ہو اس کو قتل کر دیا جائے اور جو لڑکی پیدا ہو اس کو چھوڑ دیا جائے اور اس نے قبطیوں سے کہا تمہارے جو غلام باہر کام کرتے ہیں ان کو واپس بلاؤ اور ان کی جگہ بنی اسرائیل سے کام لو اور ان سے پنچ اور رزیل کام لو جس کا ذکر قرآن میں ہے۔

إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ([13])

"بیشک فرعون زمین میں سرکش و متکبّر (یعنی آمرِ مطلق) ہو گیا تھا اور اس نے اپنے (ملک کے) باشندوں کو (مختلف) فرقوں (اور گروہوں) میں بانٹ دیا تھا اس نے ان میں سے ایک گروہ (یعنی بنی اسرائیل کے عوام) کو کمزور کر دیا تھا کہ ان کے لڑکوں کو (ان کے مستقبل کی طاقت کچلنے کے لئے) ذبح کر ڈالتا اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتا (تاکہ مردوں کے بغیر ان کی تعداد بڑھے اور ان میں اخلاقی بے راہ روی کا اضافہ ہو)، بیشک وہ فساد انگیز لوگوں میں سے تھا۔"

بنی اسرائیل کے بیٹے مارے جا رہے تھے اور بوڑھے قضاالٰہی سے مر رہے تھے ان میں سے کوئی بچہ بڑا نہیں ہوتا تھا قبطیوں نے کہا بنی اسرائیل کے بچے بڑے نہیں ہو رہے اور بوڑھے مر رہے ہیں اس طرح ان میں کوئی مرد باقی نہیں رہے گا ہماری قوم کے کام کون کرے گا تب فرعون نے یہ حکم دیا کہ ایک سال بنی اسرائیل کے بیٹے ذبح کر دیے جائیں اور ایک سال چھوڑ دیے جائیں۔ جس سال وہ ذبح نہیں کرتے تھے اس سال حضرت ہارون علیہ السلام پیدا ہوئے اور ان کو چھوڑ دیا گیا اور جس سال بچوں کو ذبح کیا جاتا تھا اس سال حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔([14])

اس بحث میں مفتی احمد یار نعیمی فرعون کو نفس امارہ سے تعبیر کر رہے ہیں اور اس کے عیوب آل فرعون۔ روح انسانی گویا بنی اسرائیل ہے اور اس کے عمدہ صفات بنی اسرائیل کے بچے اور بعض قلبی صفات ان کی لڑکیاں ہیں۔ نفس امارہ اور اس کے عیوب صفات حمیدہ کو ذبح کر کے دور کرتے ہیں اور قلبی صفات کو باقی رکھ کر ان سے اپنی ملازمت لیتے ہیں تاکہ ان سے حیوانی کام لیے جائیں۔اس فرعون نفس سے نجات بغیر رحمت خداوندی ممکن نہیں۔ اس میں انسان کا سخت امتحان ہے جس کو رب ہدایت دیتا ہے اس کے نفس اور نفسانی عیوب کو بحر قہر میں فنا کر کے

---

[13] القرآن، 4:28

Al Qurān:4:28

[14] محمد بن جریر طبری، امام، جامع البیان 215/1

Muhammad Bin Jārīr Tabrī, Jāmi ul Biyān, 215/1

روح و قلب کو اس سے نجات دیتا ہے اور رہبر طریقت کے ذریعے اس کو ترقیاں نصیب فرماتا ہے رہبر طریقت اس کے لیے مثل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہادی مطلق ہے۔([15])

فرعونیوں کو غرق کر کے بنی اسرائیل کو بچانا:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنجَيْنَاكُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ([16])

"اور جب ہم نے تمہیں (بچانے کے) لئے دریا کو پھاڑ دیا سو ہم نے تمہیں (اس طرح) نجات عطا کی اور (دوسری طرف) ہم نے تمہاری آنکھوں کے سامنے قومِ فرعون کو غرق کر دیا۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل والوں کے تیسرے انعام کا ذکر کر رہے ہیں کہ یاد کرو ہم نے تم کو کس طرح سے فرعون اور اس کی آل سے جان چھڑوائی تھی۔ جب سمندر کا سینہ چیر کر اسرائیلیوں کو راستہ دیا گیا اور پھر قبطیوں کو کیسے اسی راستے میں ملا کر غرق کر دیا گیا۔امام ابن جریر طبری لکھتے ہیں :جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے جانے لگے تو فرعون کو اس کی خبر پہنچی۔اس نے کہا ابھی رہنے دو صبح مرغ کی اذان کے ساتھ ان کا پیچھا کریں گے۔ صبح مرغ نے اذان نہ دی۔ صبح کے وقت چھ لاکھ قبطی جمع ہوئے اور بنی اسرائیل کا پیچھا کیا۔ادھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بحر کے کنارے پر پہنچے تو ان کے اصحاب میں یوشع نے کہا اے موسیٰ! آپ کو آپ کے رب نے کس طرف سے نکلنے کا حکم دیا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے سامنے سمندر کی طرف اشارہ کیا۔یوشع نے اپنا گھوڑا ڈال دیا حتی کہ جب وہ سمندر کی گہرائی میں پہنچے تو پھر لوٹ آیا اور پھر پوچھا آپ کے رب نے کہاں سے نکلنے کا حکم دیا تھا۔ تین بار اس طرح ہوا پھر اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ اپنے عصاء کو سمندر پر ماریں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصاء مارنے پر پانی 12 حصوں میں منقسم ہو کر پھٹ گیا یہاں تک ہے موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے 12 گروہوں کے ساتھ اس سے پار گزر گئے۔ بعد میں فرعون اور اس کے ساتھی سمندر پار کرنے لگے تو سمندر آپس میں مل گیا اور یہ سب غرق ہو گئے۔ یہ سمندر بحر قلزم تھا قتادہ نے کہا ہے کہ بنی اسرائیل چھ لاکھ تھے بلکہ

---

[15] مفتی احمد یار،۔ تفسیر نعیمی، 323/1،

Muftī Ahmād Yār, Tafseer ē Naēmī,323/1

[16] القرآن ،2:50

Al Qurān:2:50

قبطی 12 لاکھ تھے۔([17]) مفتی صاحب اس واقعے کی صوفیانہ تفسیر کچھ یوں بیان کرتے ہیں کہ دنیا گویا بحر قلزم ہے اور دنیاوی لذتیں اس بحر کا پانی ہیں۔ قلب مومن گویا موسیٰ ہے اور صفات قلبیہ بنی اسرائیل، جبکہ نفس امارہ فرعون اور اس کے عیوب قبطی قوم جو موسیٰ قلب اور اس کی صفات کے دشمن ہیں۔ قلب ہر وقت رب کی طرف متوجہ ہے اور نفس امارہ اس کا جانی دشمن ہے اس کے پیچھے ہے دنیا کی فانی لذتوں اور اس کی شہوتوں کا دریا سامنے جس کا دور کرنا از حد ضروری ہے کہ موسیٰ قلب اس دریا میں لا الہ الا اللہ کا عصاء مار کر ایسا خشک کرے کہ تمام عالم کی لذتیں ہر طرف کھڑی ہیں اور اس کے درمیان سے نکل جائے۔ جبکہ موسیٰ قلب لا الٰہ کے عصاء سے اس دریا کو خشک کرے گا تو رب تعالی اس پر عنایت کی ہوا اور ہدایت کا سورج بھیج کر اس راستے کو قابل عبور بنادے گا۔ جس سے قلب پر اس کی صفات ساحل تک پہنچ جائیں گی اس کا حاصل کون ہے۔ فرعون نفس اور اس کی قوم کو اس میں غرق کیا جائے گا مگر ثابت قدمی ضروری ہے۔([18])

مفتی صاحب نے اس صوفیانہ تفسیر میں دنیا کو سمندر سے مشابہت دی ہے جس میں انسان جو کہ نفس امارہ کا مالک ہے غرق رہتا ہے۔ جس کو دنیا کی لذتیں ہر وقت اپنی طرف کھینچتی رہتی ہیں۔ جس طرح دریا یا سمندر کا پانی ہر چیز کو بہالے جاتا ہے اگر ان لذتوں سے بچنا مقصود ہے تو کلمہ توحید کی مضبوطی کے ساتھ دل میں اللہ کا ذکر ضروری ہے۔ دل میں ہر وقت اللہ کے نام کی دستک ہوتی رہے گی تو یقینا دنیاوی لذتیں اس میں شامل نہ ہو پائیں گی اور جس طرح موسیٰ علیہ السلام ثابت قدمی اور حکم الہی کی وجہ سے اس پریشانی سے نکلے اسی طرح ہر انسان اللہ کے ذکر سے دنیاوی مسائل و مصیبتوں سے نکل سکتا ہے۔ لیکن اس کے لیے دو اعمال ہونا ضروری ہیں: ثابت قدمی اور توکل علی اللہ۔

بنی اسرائیل کا بچھڑے کی پوجا کرنا:

پہلے تین انعامات کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالی نے چوتھے انعام کا ذکر کیا ہے لیکن اس چوتھے انعام میں معاملہ اتنا اسان نہ تھا کیونکہ فرعونی قوم میں فرعون بادشاہ خدا مانا جاتا تھا جبکہ اسرائیلیوں نے ایک جانور بچھڑے کی پوجا شروع کر دی فرعونی قوم نے شروع ہی سے ادکار کیا لیکن بنی اسرائیل نے ایمان لانے کے بعد شرک جیسے گناہ کو اپنایا فرعونی قوم نے انجانے میں جبکہ بنی اسرائیل کا جان بوجھ کر نور نبوت پانے، اس کا اقرار کرنے اور موسی علیہ السلام جیسے

---

[17] محمد بن جریر طبری، امام، جامع البیان 218/1-219

Muhammad Bin Jārīr Tabrī, Jāmi ul Biyān ,218-219/1

[18] مفتی احمد یار،۔ تفسیر نعیمی، 329/1،

Muftī Ahmād Yār, Tafseer ē Naēmī,329/1

جلیل القدر نبی کی صحبت پانے کے بعد ایسی حرکت کرنا انتہا کا قبیح فعل تھا۔ لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ نے معاف کیا اور اس انعام کا ذکر اللہ تعالیٰ نے آیت نمبر 53 میں کیا ہے:

وَإِذْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ([19])

"اور جب ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب اور حق و باطل میں فرق کرنے والا (معجزہ) عطا کیا تاکہ تم راہِ ہدایت پاؤ۔"

اس انعام کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بنی اسرائیل کے رہبر اور نبی کا ذکر بھی کیا ہے جس کا نام موسیٰ علیہ السلام بیان کیا گیا ہے۔ تفسیر کی طرف آنے سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تھوڑا سا تعارف درج ذیل ہے :امام رازی لکھتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام عبرانی زبان کا لفظ ہے اور دو کلموں سے مل کر بنا ہے۔ 'مو' کا معنی "پانی" جبکہ سا کا معنی "درخت"۔ چونکہ حضرت آسیہ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تابوت پانی اور درختوں سے ملا تھا تو اس جگہ کی مناسبت سے اس کا نام موسیٰ رکھا۔([20]) جہاں تک آیت میں بیان کردہ واقعے کا ذکر ہے تو اس کے لحاظ سے امام ابن جریر لکھتے ہیں :کہ بنی اسرائیل کو نجات دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو 30 راتوں کی ملاقات کا وعدہ فرمایا اور مزید 10 راتوں سے پورا کیا۔ ان راتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے ملاقات کی حضرت ہارون کو خلیفہ بنایا اور چل دیے۔([21]) امام رازی لکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بھائی کو خلیفہ بنا کر چل دیے تو اسرائیلیوں کے پاس قبطیوں کے زیورات تھے حضرت ہارون علیہ السلام نے ان کو جلانے کا حکم دیا۔ انہوں نے ان کو جمع کر کے آگ لگا دی۔([22]) لیکن مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ سامری نے ان لوگوں کو ورغلا کر کہا کہ موسیٰ بھی تمہاری طرح بشر ہے صرف طلسماتی عصاء کی وجہ سے یہ معجزے دکھاتے ہیں۔ تم وہ سارا سونا میرے

---

[19] القرآن، 53:2

Al Qurān:2:53

[20] فخر الدین رازی، امام، تفسیر کبیر، 343/1، بیروت، مطبوعہ دار الفکر 1398ھ۔

Fkhar ud Dēn rāzī, Tfsēr ē kbēr,343/1,Bēruīt:Publishers.dar ul fīlkr,1398Hd

[21] محمد بن جریر طبری، امام، جامع البیان 222/1

Muhammad Bin Jārīr Tabrī, Jāmi ul Biyān,222/1

[22] فخر الدین رازی، امام، تفسیر کبیر، 344/1،

Fkhar ud Dēn rāzī, Tfsēr ē kbēr,222/1

حوالے کردو میں تمہارے لیے اس سے بھی عجیب طلسم بنادیتاہوں۔([23]) بہر حال سامری نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی گھوڑی کے سم کی مٹی اٹھالی تھی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سمندر پار کر رہے تھے سامری کے پاس جو سونا تھا اس نے پگھلا کر اس کا ایک بچھڑا بنالیا اور اس نے وہ مٹی ڈال دی اس کے اثر سے اس مجسمہ سے بچھڑے کی سی آواز آنے لگی۔ پھر سامری نے بنی اسرائیل سے کہا یہ تمہارا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خدا ہے اور وہ قوم اس کی پوجا کرنے لگی۔ لیکن حضرت ہارون علیہ السلام اور بارہ ہزار دیگر افراد کے علاوہ سب اس کی پرستش کرنے میں شامل ہو گئے۔([24]) ان آیات میں چالیس کے عدد کو مفتی صاحب اہمیت سے بیان کرتے ہیں کہ چالیس کا عدد رب کو بہت پیارا ہے۔ کیونکہ آدم کا خمیر چالیس دن میں ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام کو تورات چالیس دن میں ملی اور اکثر انبیاء کو نبوت چالیس سال کی عمر میں عطا ہوئی۔ اسی طرح سے مفتی صاحب بچے کی پیدائش کے مختلف ادوار کا ذکر بھی چالیس دنوں کے لحاظ سے کرتے ہیں۔ مزید لکھتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے چالیس میں حالات کا انقلاب ہوتا ہے اس لیے صوفیا کرام چالیس دن کے چلے کرتے ہیں۔([25]) مولانا اشرف علی تھانوی بھی اس آیت سے اور چالیس دن کے عدد سے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ آیت اہل سلوک کے چلہ کی اصل ہے اور گویا موسیٰ علیہ السلام کا قصہ ہے۔ لیکن جب اس کو نقل کر کے اس پر انکار نہیں کیا گیا تو یہ ہمارے لیے حجت ہو گیا۔([26]) مفتی صاحب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کوہ طور پر جانے اور چالیس دن وہاں رکنے سے مزید استدلال کرتے ہیں کہ کچھ دن کے لیے تارک دنیا ہو کر عبادات و مجاہدہ کرنا ایمانی ترقی کا باعث ہے۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے قصے سے ثابت ہوا اور صوفیاء کا اسی پر عمل ہے۔([27]) یقیناً یہ عمل رہبانیت میں شامل نہیں آتا کیونکہ رہبانیت مستقل طور پر دنیا سے کٹ جانے کا نام ہے۔ لیکن کچھ وقت کے لیے روحانی اور ایمانی ترقی کے لیے اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے مراقبہ یا مجاہدہ کی نیت سے الگ پہاڑوں میں یا الگ کونوں میں بیٹھ جانا

---

[23] مفتی احمد یار، تفسیر نعیمی، 322/1،

Muftī Ahmād Yār, Tafseer ē Naēmī,322/1

[24] فخر الدین رازی، امام، تفسیر کبیر، 344/1

Fkhar ud Dēn rāzī, Tfsēr ē kbēr,344/1

[25] مفتی احمد یار، تفسیر نعیمی، 335/1،

Muftī Ahmād Yār, Tafseer ē Naēmī,335/1

[26] اشرف علی تھانوی، مولانا، بیان القرآن 1/ 52، لاہور، مکتبہ رحمانیہ

Asharīf Ali Thānvī,Bīyān ul Qurān,52/1:Lahore:Maktāba rehmāniyā

[27] مفتی احمد یار،۔ تفسیر نعیمی، 334/1

Muftī Ahmād Yār, Tafseer ē Naēmī,334/1

اچھا عمل ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ میں غار حرا میں وقت گزارنا اور واپس آ جانا بھی اسی عمل کی دلیل ہے۔اب جب اسرائیلیوں نے بچھڑے کی پوجا شروع کی جو کہ ایک مشرکانہ کام تھا حضرت موسی علیہ السلام کو یہ عمل ناپسند آیا حضرت ہارون علیہ السلام سے بھی سختی سے پیش آئے تو اللہ نے اب ان سے کہا کہ تم لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے تو اب توبہ کرو اور اس توبہ کا انداز درج ذیل آیت میں بیان کیا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوبُواْ إِلَى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُواْ أَنْفُسَكُمْ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِندَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ([28])

"اور جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! بیشک تم نے بچھڑے کو (اپنا معبود) بنا کر اپنی جانوں پر (بڑا) ظلم کیا ہے، تو اب اپنے پیدا فرمانے والے (حقیقی رب) کے حضور توبہ کرو، پس (آپس میں) ایک دوسرے کو قتل کر ڈالو (اس طرح کہ جنہوں نے بچھڑے کی پرستش نہیں کی اور اپنے دین پر قائم رہے ہیں وہ بچھڑے کی پرستش کر کے دین سے پھر جانے والوں کو سزا کے طور پر قتل کر دیں)، یہی (عمل) تمہارے لئے تمہارے خالق کے نزدیک بہترین (توبہ) ہے، پھر اس نے تمہاری توبہ قبول فرمالی، یقیناوہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔"

اس آیت میں جس توبہ کا ذکر کیا ہے اس کا انداز امام طبری کچھ یوں بیان کرتے ہیں: "کہ ایک صف میں بچھڑے کی عبادت کرنے والوں کو کھڑا کیا جبکہ دوسری صف میں وہ کھڑے ہوئے جنہوں نے بچھڑے کی عبادت نہیں کی اور انہوں نے بچھڑے کی پرستش کرنے والوں کو قتل کیا اور ستر ہزار افراد قتل کیے گئے۔"([29]) لیکن یہ بنی اسرائیل کی توبہ تھی اور ہمارے لیے یعنی امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی توبہ یہ ہے کہ گناہوں پر اشک ندامت بہائیں گناہ کو فوراً ترک کر دیں اور اللہ سے عہد کریں کہ دوبارہ اس گناہ کو نہیں کریں گے اور اس گناہ کے ذریعے جو حق ضائع ہوا ہے اس کی تلافی کریں۔([30])

مفتی احمد یار نے بھی توبہ کے چار درجے بیان کیے ہیں کیونکہ توبہ بھی ایک نعمت ہے ایک نفس امارہ کی توبہ ہے جو کہ عام مسلمانوں کو حاصل ہوتی ہے اس کی حقیقت بری عادتوں سے بچنا، اچھے کام کرنا، مظلوموں سے معافی

---

[28] ، القرآن 54:2

Al Qurān:2:54

[29] محمد بن جریر طبری، امام، جامع البیان 227/1

Muhammad Bin Jārīr Tabrī, Jāmi ul Biyān, 227/1

[30] غلام رسول سعیدی، علامہ، تبیان القرآن، 1/423، لاہور، فرید بک سٹال، 1999ء۔

Gulām rāsool Saēdī ,Tibyān Ul Qurān,423/1,Lahore:farīd book stāl.1999

مانگ لینا، گزشتہ گناہوں سے معافی مانگ لینا اور آئندہ بچنے کا عہد کرنا اسی کو توبہ نصوح بھی کہا جاتا ہے۔ دوسرا درجہ نفس لوامہ کی توبہ ہے یہ اولیاءاللہ اور مومنین خاص کو حاصل ہے اس کی حقیقت ترک دنیا اور حق سے غافل کرنے والی چیزوں سے بچنا، اخلاق کی درستگی، نفس کی صفائی اور اس کی مخالفت ہے۔ اس کا نام انابت ہے اور نفس امارہ قلب منیب کے درجے میں آجاتا ہے۔ تیسرا درجہ نفس ملہمہ کی توبہ ہے۔ یہ خاص اولیاءاللہ کو حاصل ہوتی ہے جس کی حقیقت دنیا سے نفرت اور آخرت کی طرف رغبت ہے۔ اس کا نام ادبہ ہے۔ چوتھا درجہ نفس مطمئنہ کی توبہ ہے یہ خاص اولیاء اور انبیاء کو حاصل ہوتی ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ خود عنایت ربانی ان نفسوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور اپنی انانیت سے نکال کر ربوبیت کی ہویت میں گم کر دیتی ہے۔ ([31])

مفتی صاحب صوفیانہ تفسیر میں مزید لکھتے ہیں کہ ہر قوم بچھڑے کی پجاری ہے جو چیز رب سے غافل کرے وہی بچھڑا ہے۔ کوئی دولت کے بچھڑے کی پوجا کر رہا ہے اور کوئی شہوت کے، کوئی عزت کے تو کوئی خواہشات نفسانی کے بچھڑے کی، ہر مومن کا قلب جو مثل موسیٰ علیہ السلام کے ہادی ہے۔ بنی اسرائیلی خواہشات سے پکار کر کہہ رہا ہے کہ تم نے بچھڑے کی پوجا کر کے اپنے پر ظلم کیا ہے اب تو ماسوائے اللہ کو چھوڑ کر متوجہ الی اللہ ہو جاؤ اور اپنے نفس امارہ کو قتل کرو اور اللہ کی مدد مانگو۔ کافر کو لوہے کی تلوار سے قتل کیا جاتا ہے جبکہ نفس کو صدق و صفا کی تلوار سے۔ کافر کا قاتل غازی اور اس کا مقتول شہید ہے۔ جبکہ نفس کا قاتل صدیق ہے اور یقیناً صدیق کا درجہ غازی اور شہید سے زیادہ ہے۔ اس لیے قرآن نے صدیقین کو شہداء سے پہلے بیان فرمایا:

وَمَن يُطِعِ اللّهَ وَالرَّسُولَ فَأُوْلَـئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَـئِكَ رَفِيقًا([32])

"اور جو کوئی اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کرے تو یہی لوگ (روزِ قیامت) ان (ہستیوں) کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے (خاص) انعام فرمایا ہے جو کہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں، اور یہ بہت اچھے ساتھی ہیں۔"

---

[31] مفتی احمد یار،۔ تفسیر نعیمی، 340/1،

Muftī Ahmād Yār, Tafseer ē Naēmī,340/1

[32] القرآن، 69:4

Al Qurān:4:69

مفتی صاحب مزید لکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کفار کو جہاد اصغر جبکہ جہاد نفس کو جہاد اکبر قرار دیا۔ حضرت جابر سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹ کر آنا مبارک ہو عرض کیا جہاد اکبر کیا ہے؟ قیل یا رسول اللہ ﷺ! و ما الجھاد الاکبر ؟ قال: فجھاد النفس([33])

مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ اس نفس کے خلاف جہاد کو جہاد اکبر اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ مجاہد تو ایک بار قتل ہو کر مصیبتوں سے نکل جاتا ہے اور اس کے سارے غم بھی ختم ہو جاتے ہیں لیکن صدیق ہر دن ہزاروں بار نفس کو قتل کرتا ہے اور ہر قتل میں نئی لذت پاتا ہے۔([34])

بنی اسرائیل کا اللہ کے دیدار کے لئے حضرت موسیٰ کو مجبور کرنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور سے واپس لوٹے اور بچھڑے کی عبادت کرنے پر بنی اسرائیل کو ملامت کیا اور بچھڑے کو جلا کر سمندر میں ڈال دیا۔ بنی اسرائیل کے لوگوں نے اللہ کے دیدار یا اس سے گفتگو کرنے کی ضد باندھی۔ جس کا ذکر اللہ نے قران پاک میں کیا:

وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَى لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّى نَرَى اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْكُمُ الصَّاعِقَةُ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ([35])

"اور جب تم نے کہا: اے موسیٰ! ہم آپ پر ہر گز ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ ہم اللہ کو (آنکھوں کے سامنے) بالکل آشکارا دیکھ لیں پس (اس پر) تمہیں کڑک نے آ لیا (جو تمہاری موت کا باعث بن گئی) اور تم (خود یہ منظر) دیکھتے رہے۔"

ابن جریر لکھتے ہیں: کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو کہا ستر افراد لے کر آؤ اللہ سے ملاقات کرواتا ہوں تاکہ بچھڑے کی پوجا پر معذرت کر لو۔([36]) لیکن اشرف علی تھانوی رقم طراز ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب تورات لائے تو کچھ گستاخوں نے کہا کہ اللہ خود ہمیں یہ بات کہہ دے کہ یہ ہماری کتاب ہے تو ہم یقین کر

---

[33] محمد بن محمد غزالی، امام، احیاء علوم الدین، 66/3، بیروت، مطبوعہ دار الخیر، 1413ھ۔
Muhammad bīn Ghzāli,Ahyā ul Uloom ud Dēn, 66/3, Beruit: publishers, Darul Khair,1413H

[34] مفتی احمد یار، تفسیر نعیمی، 345/1،
Muftī Ahmād Yār, Tafseer ē Naēmī,345/1

[35] ۔ القرآن، 55:2
Al Qurān:2:55

[36] محمد بن جریر طبری، امام، جامع البیان 231/1
Muhammad Bin Jārīr Tabrī, Jāmi ul Biyān,217/1,231/1

لیں گے۔([37]) جب یہ ستر لوگ کوہ طور پر پہنچے تو اللہ تعالی نے کلام کیا ان لوگوں نے اللہ کی موسیٰ علیہ السلام سے کی گئی گفتگو سن لی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام فارغ ہوئے اور بادل چھٹ گیا تو یہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے: ہر گز ایمان نہیں لائیں گے جب تک اللہ کو بالکل عیاں، ظاہر اور بیان نہ دیکھ لیں۔ اس وقت ان پر بجلی کی کڑک پڑی اور یہ ہلاک ہو گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے دعا کی کہ جب میں قوم کے پاس واپس لوٹوں گا تو یہ میری تصدیق کیسے ہو گی اور آئندہ مجھ پر اعتماد کیسے کریں گے۔ حضرت موسی علیہ السلام مسلسل دعا کرتے رہے بالآخر اللہ تعالی نے ان کی روحیں لوٹا دیں۔([38]) اللہ تعالی کے دیدار کو طلب کرنا جائز ہے لیکن بنی اسرائیل پر اس کے دیدار کی طلب پر بجلی کی کڑک نازل ہونے اور ہلاکت کا سبب بنا اس لیے تھا کہ انہوں نے سرکشی اور عناد سے دیدار الٰہی کو طلب کیا۔([39]) مفتی احمد یار ان آیات کی صوفیانہ تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اغیار کا یار کے دروازے پر آکر دیدار کے لیے شور مچانا اس دربار کی بے ادبی، دوری اور شقاوت کا ذریعہ بھی ہے۔ قصور ان اسرائیلیوں کا تھا جن کی سزا موت کی شکل میں دی گئی مگر چونکہ اس دروازے تک خود نہ گئے تھے بلکہ یار کے بلائے ہوئے اور اس کے مقبول بارگاہ کے ذریعے سے اور لے جانے والوں کو اپنے لانے کا پاس ہوتا ہے اور بازو پکڑنے کی لاج۔ اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا یا مولا یہ ہیں تو بے ادب مگر میرے لائے ہوئے ہیں ان پر رحمت کی بارش فرما۔ جس کی بدولت ان کو دوبارہ زندگی دی گئی۔ اس بارگاہ میں وہی داخل ہوتا ہے جو قرب کی منزلیں صبر سے طے کرے، شور نہ مچائے کسی کے گھر کے دروازے سوال و جواب ملحوظ رکھے۔ بنی اسرائیل کو ایک ہی بار مار کر زندہ کیا لیکن طالب مولی ہر لمحے مرتے اور زندہ ہوتے ہیں اور یہ سب رب کی طرف سے اعزاز ہے۔ کیونکہ یہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی تھے ورنہ عذاب اور موت کے وقت توبہ قبول نہیں ہوا کرتی۔ جیسا کہ فرعون اور اس کی قوم کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ تو یہ پتہ لگا نبی کے ساتھیوں کے معافی ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے لغزشیں ہوئیں تو تمام مغفور ہیں۔ کسی پر طعن جائز نہیں۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ، کلیم اللہ کے صحابہ سے کم درجہ رکھتے ہیں؟ اسی طرح مفتی

---

[37] اشرف علی تھانوی، مولانا، بیان القرآن 1/ 54،

Asharīf Ali Thānvī,Bīyān ul Qurān,54/1

[38] جامع البیان: 231/1

Jāmi ul Biyān,231/1

[39] غلام رسول سعیدی، علامہ، تبیان القرآن، 1/425،

Gulām rāsool Saēdī ,Tibyān Ul Qurān,425/1

صاحب حضرت زلیخااور برادران یوسف کی مثال دے کر بیان کرتے ہیں کہ ان کی سزائیں بھی معاف کر دی گئیں جو خطائیں سر زد ہوئی تھیں ان پر زبان کھولنا اپنے اعمال پر برباد کرنا ہے۔([40])

حاصل کلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے واقعات میں کئی صوفیانہ پہلو بیان کیے گئے ہیں جیسا کہ فرعون کو نفس امارہ سے تعبیر کرنا اور وہ اعمال بد جو ہم سے سر زد ہوئے ہیں یقیناً اللہ ان کو دور کرنے پر غالب ہے۔ لیکن دو شرائط کے ساتھ ایسا ممکن ہے ایک انسان کی ثابت قدمی جس کا اظہار اللہ کے ساتھ اور اللہ والوں کے ساتھ عملی طور پر نظر آنا چاہیے۔ اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ جب اللہ روح و قلب کو فرعونی، طاغوتی طاقتوں سے نکالنا چاہتا ہے تو موسیٰ علیہ السلام جیسا رہبر، ولی کامل اور طریقت کے مختلف درجات سے آشنا کرتا ہے۔ فرعون کی مانند دنیا میں یقیناً انسان کا سامنا نفس امارہ، دنیاوی لذتوں اور شیطانی صفات کے احباب سے ہوتا رہے گا کیونکہ یہ انسانی دشمن ہیں۔ لیکن حزب اللہ اور حزب الشیطان کے دو گروہ مسلسل ایک دوسرے کے مساوی کام کر رہے ہیں۔ تو ضروری ہے کہ دنیاوی لذتوں کو ترک کر کے حزب اللہ کے ساتھ شامل ہو جایا جائے تو یقیناً ہدایت کا سورج اس دنیاوی سفر کے لیے عطا کیا جائے گا۔ جیسا کہ نفس کے مختلف درجات بیان کیے گئے ہیں تو یقیناً رہبر کامل کا ساتھ اور ثابت قدمی سے انسان ان درجات کو طے کرتا ہوا اپنے رب کے احکامات پر عمل پیرا بھی ہو گا اور جب ایسا ہو تو اللہ بھی انسان کی مدد کے لیے راہیں کھول دیتا ہے۔ انسان کو نفس امارہ کو قتل کرنے کے لیے صداقت وصفا جیسی صفات اپنانا ہوں گی تاکہ دنیاوی لذت کو قتل کرنا ممکن ہو سکے۔ لیکن ایک بات انتہائی اہم ہے کہ اس تمام معاملے میں رہبر طریقت کے لیے اداب واحترام کا پہلو کبھی نہ چھوٹنے پائے۔ زیادہ سوال وجواب طریقت کے میدان میں پرہیز کیے جائیں کیونکہ ان کی بدولت درجات میں کمی آتی رہتی ہے اگر محنت یقینی ہو گی تو ایسی کمی و بیشی رابر طریقت کے تعلق اور ساتھ کی بناء پر اللہ تعالی در گزر فرماتا ہے لیکن لگن کا سچا ہونا ضروری ہے۔

قصہ بقرہ کا صوفیانہ اسلوب:

بنی اسرائیل میں کئی معجزات کا اظہار ہوا وہ ایک لاڈلی قوم تھی جب بھی کوئی مسئلہ ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سفارش کرواتے اور من چاہی خواہشات اللہ تعالیٰ سے پوری کرواتے۔ لیکن اللہ تعالی بھی ان کو ان کی سوچ کی بدولت

---

[40] مفتی احمد یار۔ تفسیر نعیمی، 347/1،

Muftī Ahmād Yār, Tafseer ē Naēmī,347/1

مختلف قسم کی آزمائشوں سے پرکھتا تھا گائے کا واقعہ بھی کچھ اسی انداز کا ہے جس میں ایک قتل ہوا تو قاتل کی پہچان کے لیے انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مدد طلب کی اور اللہ نے گائے کے ذبح کرنے کا حکم دیا تو ہمیشہ کی طرح اس معاملے میں بنی اسرائیل نے حیلے بہانے شروع کر دیے جس واقعے کا پورا ذکر درج ذیل آیات میں بیان کیا گیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُواْ بَقَرَةً قَالُواْ أَتَتَّخِذُنَا هُزُواً قَالَ أَعُوذُ بِاللهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ([41])"اور (وہ واقعہ بھی یاد کرو) جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے فرمایا کہ بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو، (تو) وہ بولے: کیا آپ ہمیں مسخرہ بناتے ہیں؟ موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا: اللہ کی پناہ مانگتا ہوں (اس سے) کہ میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں

امام ابن جریر طبری اس واقعے کو یوں بیان کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک مالدار شخص تھا اس کی اولاد نہ تھی اس کا وارث اس کا ایک رشتہ دار تھا اس نے اس مالدار شخص کو قتل کر دیا تاکہ اس کا وارث ہو اور اس کی لاش لوگوں کے راستے میں ڈال دی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جا کر کہا کہ میرے رشتہ دار کو قتل کر دیا گیا ہے اور میرے نزدیک آپ کے سوا اور کوئی شخص نہیں جو اس قاتل کا نام بتا سکے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اعلان کیا لیکن کسی نے بھی اس قتل کو قبول نہ کیا۔اس شخص نے آپ سے کہا اللہ سے سوال کریں کہ وہ ہمیں قاتل بتائے تو اللہ نے فرمایا ایک گائے ذبح کریں ان کو اس بات پر تعجب ہوا کہ قاتل بتلانے میں اور گائے کے ذبح میں کیا مناسبت ہے اس لیے انہوں نے کہا کہ ہم آپ ہم سے مذاق کرتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا میں جاہل ہونے سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ ([42])علامہ عبدالحیان اندلسی اس مقتول کا نام عاصل بیان کرتے ہیں اور اس کا قاتل اس کا چچا زاد بھائی تھا۔([43]) مفتی احمد یار بھی ان کا یہی نام تحریر کرتے ہیں اور یہ پورا واقعہ اسی طرح بیان کرتے ہیں۔([44]) یہاں تو ہم نے

---

[41] القرآن، 67:2

Al Qurān:2:67

[42] محمد بن جریر طبری، امام، جامع البیان 1/68-267

Muhammad Bin Jārīr Tabrī, Jāmi ul Biyān,267-68/1

[43] ابوالحیان اندلسی، البحر المحیر 1/ 403، بیروت، مطبوعہ دارالفکر 1412ھ

Abu Hāyān Undālsī,Al bahr ul Muhēt,403/1,Berutī:Publishers,darul fikr,1412Hd

[44] مفتی احمد یار، تفسیر نعیمی، 396/1،

گائے ذبح کرنے کا واقعہ بیان کیا جو اس کی وجہ بتا سکیں۔ بنی اسرائیل کی فضول بحث کی بنا پر جب انہوں نے گائے سے متعلق کئی سوالات پوچھے جس کی بناء پر وہ پھنستے چلے گئے اور ویسی ایک ہی گائے جو موجود تھی جو اللہ نے خصوصیات بیان کی تھیں اب ضروری ہے کہ اس قصے کو بیان کیا جائے جس کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَالُواْ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا هِيَ إِنَّ البَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا وَإِنَّآ إِنْ شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لاَّ ذَلُولٌ تُثِيرُ الأَرْضَ وَلاَ تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لاَّ شِيَةَ فِيهَا قَالُواْ الآنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُواْ يَفْعَلُونَ([45])

"(اب) انہوں نے کہا: آپ ہمارے لئے اپنے رب سے درخواست کیجئے کہ وہ ہم پر واضح فرمادے کہ وہ کون سی گائے ہے؟ (کیونکہ) ہم پر گائے مشتبہ ہو گئی ہے، اور یقیناً اگر اللہ نے چاہا تو ہم ضرور ہدایت یافتہ ہو جائیں گے۔ (موسیٰ علیہ السلام نے کہا:) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (وہ کوئی گھٹیا گائے نہیں بلکہ) یقینی طور پر ایسی (اعلیٰ) گائے ہو جس سے نہ زمین میں ہل چلانے کی محنت لی جاتی ہو اور نہ کھیتی کو پانی دیتی ہو، بالکل تندرست ہو اس میں کوئی داغ دھبہ بھی نہ ہو، انہوں نے کہا: اب آپ ٹھیک بات لائے (ہیں)، پھر انہوں نے اس کو ذبح کیا حالانکہ وہ ذبح کرتے معلوم نہ ہوتے تھے۔"

بنی اسرائیل کی گائے کا بیان

علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک نوجوان ایک دکان میں کچھ چیزیں فروخت کرتا تھا ایک دن ایک دوسرے شہر سے ایک آدمی آیا اس سے کچھ سودا طلب کیا اور اس کی قیمت دے دی۔ وہ اس کے ساتھ دکان کھولنے گیا تاکہ اس کو وہ چیز دے دے۔ چابی اس کے والد کے پاس تھی جو کہ دکان کے سائے میں سو رہا تھا اس شخص نے اس کہا اسے جگادو، اس لڑکے نے جگانے سے انکار کیا اس شخص نے والد کو جگانے کے لیے دگنی قیمت پیش کی لیکن بچے نے انکار کر دیا اس لڑکے نے جو والد سے نیکی کی اللہ نے اس کی جزا دی یہ ان کی گائے سے وہ گائے پیدا ہوئی جو بنی اسرائیل کی ضرورت تھی۔ بنی اسرائیل اس گائے کو خریدنا چاہتے تھے لیکن وہ لڑکا راضی نہ تھا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اس کو راضی کر کے گائے خرید و بالآخر اس کی قیمت طے کی گئی اور اس کے وزن کے برابر سونا دیا جائے۔ ([46]) یہ

Muftī Ahmād Yār, Tafseer ē Naēmī,396/1

[45] القرآن، 2:71،70

Al Qurān:2:70:71

[46] جلال الدین سیوطی، امام، تفسیر الدر منثور، 1/ 76 ایران، مکتبہ ایت اللہ العظمی

Jlāl ud Dēn,Syotī, Tafsēr Al Dur rul Mānsor,76/1,Irān:Maktba Ayātulāh,

وہ گائے تھی جس میں قرآن میں بیان کردہ تمام صفات موجود تھیں۔ امام طبری لکھتے ہیں کہ جس وقت ان لوگوں کو گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا اگر یہ اسی وقت کسی بھی گئے کو ذبح کردیتے تو کافی ہوتا لیکن انہوں نے سوالات کرکے گائے میں قیودات لگوائی تو اللہ نے ان پر سختی کی اور اگر یہ انشاءاللہ نہ کہتے تو یہ اس گائے کی طرف کبھی ہدایت نہ پاتے جس گائے کا انہوں نے تعین کیا تھا وہ ایک بوڑھی عورت کی تھی جس کے یتیم بچے تھے۔(47) یہی بات مفتی احمد یار تفسیر عزیزی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں: کہ بنی اسرائیل نے یہی کج بحثی کرکے خود اپنے اوپر پابندیاں لگالیں اگر یہ حکم پاتے ہی کوئی سی بھی ذبح کرڈالتے اور تعمیل ارشاد میں دیر نہ کرتے تو اس سے نہایت آسانی سے چھوٹ جاتے اور مقدمہ اتنا طول نہ پکڑتا۔ ابراہیم نے اپنے فرزند اسماعیل سے کہا تھا کہ میں نے خواب میں تمہیں ذبح ہوتے دیکھا ہے انہوں نے اپنے ذبح کرانے میں کوئی حجت نہیں کی اور نہ ہی یہ کہا کہ یہ تو خواب ہے بلکہ انہوں نے اپنی قربانی فوراً پیش کردی۔(48)

مفتی احمد یار ان آیات کی صوفیانہ تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ قلب کو انسان کی خواہشات انسانی نے قتل کردیا اس کے زندہ کرنے کی تدبیر یہ ہے کہ گائے یعنی نفس کو شریعت کی چھری سے ذبح کرو اور اس کی موت میں قلب کی حیات ہے خواہشات نفس نے جب یہ حکم سنا تو موسیٰ یعنی روح سے کہا گیا کیا تو ہم سے دل لگی کرتا ہے؟ قتل نفس ہر کس و ناکس کا کام نہیں۔ روح نے جواب دیا کہ خدا کی پناہ میں ان جہلا میں سے نہیں ہوں جو کہ قتل نفس کو آسان سمجھتے ہیں تو اب انہوں نے عرض کیا کہ اچھا مقرر کرو کہ کون سا نفس قتل کیا جائے جس سے قلب زندہ ہو جواب دیا وہ نفس نہ تو بوڑھا راہ قطع کرنے سے عاجز ہو نہ بالکل جوان نشدست شباب بلکہ اس کے درمیان جب کمال عقل رکھتا ہو۔ تب پوچھا کہ اس کا رنگ کیا ہو جواب ملا پیلے رنگ کا یعنی ریاضت اور مجاہدہ والوں کا نفس ہو جن کے چہرے پیلے ہوتے ہیں جن کی یہ زردی بھی بھلی معلوم ہوتی ہے نہ کہ بری۔ جو بھی ان کو دیکھتا ہے ان کو صالح سمجھ کر خوش ہوتا ہے ان کا دلی تقوی چہرے کی رنگت سے ظاہر ہوتا ہے جس کا ذکر قرآن میں ہے:

مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ كَزَرْعٍ

---

47 محمد بن جریر طبری، امام، جامع البیان 269/1

Muhammad Bin Jārīr Tabrī, Jāmi ul Biyān,269/1

48 شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، تفسیر عزیزی، (مترجم محمد محفوظ الحق) لاہور، نوریہ رضویہ پبلیکیشنز، 101/1

Shāh Abdul Azīz dēhlvī,Tafsēr Azīzī,(Translator:Mēhfoz ul Hāq)101/1,Lahore:Noriā Rizviā piblications

أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَى عَلَى سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا([49])

محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی معیت اور سنگت میں ہیں (وہ) کافروں پر بہت سخت اور زور آور ہیں آپس میں بہت نرم دل اور شفیق ہیں۔ آپ انہیں کثرت سے رکوع کرتے ہوئے، سجود کرتے ہوئے دیکھتے ہیں وہ (صرف) اللہ کے فضل اور اس کی رضا کے طلب گار ہیں۔ اُن کی نشانی اُن کے چہروں پر سجدوں کا اثر ہے (جو بصورتِ نور نمایاں ہے)۔ ان کے یہ اوصاف تورات میں (بھی مذکور) ہیں اور ان کے (یہی) اوصاف انجیل میں (بھی مرقوم) ہیں۔ وہ (صحابہ ہمارے محبوبِ مکرّم کی) کھیتی کی طرح ہیں جس نے (سب سے پہلے) اپنی باریک سی کونپل نکالی، پھر اسے طاقتور اور مضبوط کیا، پھر وہ موٹی اور دبیز ہوگئی، پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی (اور جب سرسبز و شاداب ہو کر لہلہائی تو) کاشتکاروں کو کیا ہی اچھی لگنے لگی (اللہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنھم کو اسی طرح ایمان کے تناور درخت بنایا ہے) تاکہ اِن کے ذریعے وہ (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جلنے والے) کافروں کے دل جلائے، اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ فرمایا ہے O

پھر کہا گیا کہ کچھ اور صفات بتاؤ کیونکہ اس لباس میں بہت سے بطال فریبی بھی ہیں ایسا نشان بتاؤ جس سے باطلین، طالبین سے علیحدہ ہو جائیں۔ تب فرمایا گیا کہ وہ ایسا نفس ہے جو دنیا طلبی میں حرص ہوس کے اہل میں نہ جوڑا گیا ہو اور دنیاوی مصنوعات پر فریفتہ نہ ہوا ہو۔ یہ ذلت اس نے برداشت نہ کی ہو اور نہ اپنی آبرو کے پانی سے دنیا کو سیراب کیا ہو یعنی دنیا حاصل کرنے کے لیے ذلت حاصل نہ کی ہو اور وہ نفس یک رنگ ہو دو رنگ نہ ہو یعنی اندر اور ماسوائے اللہ دونوں کا طالب نہ ہو اس قسم کے عیوب سے مسلم ہو تب انہوں نے خنجر صدق سے رب کی توفیق سے نفس کو ذبح کر کے قلب کو ذبح کیا ہو ۔([50]) مولانا اشرف علی تھانوی بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی لکھتے ہیں کہ بقرہ صفراء۔ صوفیا نے نفس کو اس بقرہ سے تشبیہ دی ہے اور اس سے اور مناسبت بڑھ جاتی ہے کہ یہ گائے اصفر تھی اور اہل کشف نور نفس کو بھی اصفر بتاتے ہیں۔([51])

---

[49] القرآن، 29:48،

Al Qurān:48:29

[50] مفتی احمد یار،۔ تفسیر نعیمی، 408/1،

Muftī Ahmād Yār, Tafseer ē Naēmī,408/1

[51] اشرف علی تھانوی، مولانا، بیان القران 1/ 61،

Asharīf Ali Thānvī,Bīyān ul Qurān

مفتی صاحب اس کا خلاصہ بیان کرتے ہیں کہ ظاہری گائے ذبح کر کے ظاہری مقتول زندہ کرنے کا واقعہ صرف ایک بار ہی ہو گا مگر اندرونی گائے ذبح کر کے اندرونی مقتول دل کو زندہ کرنا قیامت تک جاری رہے گا کہ اللہ والے نفس مار کر قلب جلاتے رہیں گے مگر یہ مردوں کا کام ہے نہ کہ ہر کس و ناکس کا۔[52] اب یہ گائے خرید لی گئی اور اس کو ذبح کرنے کا حکم پورا کیا گیا پورا کرنے کے بعد اللہ نے کہا ہے کہ ٹکڑے کو اس مقتول کو زندہ کرنے کے لیے مارنے کا کہا جس کا ذکر قرآن میں یوں ہے:

وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْساً فَادَّارَأْتُمْ فِيهَا وَاللّهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا كَذَلِكَ يُحْيِ اللّهُ الْمَوْتَى وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ([53])

اور جب تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا پھر تم آپس میں اس (کے الزام) میں جھگڑنے لگے، اور اللہ (وہ بات) ظاہر فرمانے والا تھا جسے تم چھپا رہے تھے۔ پھر ہم نے حکم دیا کہ اس (مردہ) پر اس (گائے) کا ایک ٹکڑا مارو، اسی طرح اللہ مردوں کو زندہ فرماتا ہے (یا قیامت کے دن مردوں کو زندہ کرے گا) اور تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم عقل و شعور سے کام لو

ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے مفتی احمد یار لکھتے ہیں کہ جو شخص اپنے دل کی زندگی چاہتا ہے تو اس کو چاہیے کہ اپنے نفس کی گائے کو ذبح کر ڈالے جو شخص نفس کو ریاضت سے مارے گا اللہ اس کے قلب کو انوار مشاہدات سے زندہ فرمادے گا جو نفس کو شریعت کے ذریعے مردہ کرے گا اللہ اس کے دل کو حقیقت و معرفت سے زندہ فرمادے گا جیسے اس مقتول نے مردہ گائے سے زندہ ہو کر اپنے قاتل کا پتہ دیا اسی طرح جو اپنے نفس کو صدق کی چھری سے ذبح کرے اور مذبوحہ نفس کی زبان اس قلب پر لگائے جو خدا کے ذکر میں مقتول ہو چکا ہے تو اللہ اس کے قلب کو اپنے نور سے زندہ فرمائے گا اور پھر کسی کا قلب پکارے گا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا أُبَرِّىءُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلاَّ مَا رَحِمَ رَبِّي إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَّحِيمٌ([54])

---

[52] احمد یار، تفسیر نعیمی، 408/1،

Muftī Ahmād Yār, Tafseer ē Naēmī,408/1

[53] القرآن، 72:73:2

Al Qurān:2:72:73

[54] القرآن: 53:12

Al Qurān:12:53

اور میں اپنے نفس کی برات (کا دعوٰی) نہیں کرتا، بیشک نفس تو برائی کا بہت ہی حکم دینے والا ہے سوائے اس کے جس پر میرا رب رحم فرمادے۔ بیشک میرا رب بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے

اور کوئی زندہ ہو کر منصور کی طرح انا الحق کا نعرے لگائے گا کیونکہ زندہ دل رب کے مظہر ہو منظر ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالی تمہاری صورتیں نہیں دیکھتا بلکہ قلبوں اور نیتوں کو بھی دیکھتا ہے۔[55] یہ قلب مظہر الٰہی ہیں اس لیے اس کا کلام اللہ کا کلام اور اس سے تقرب اللہ سے تقرب ہے۔

خلاصہ کلام

بنی اسرائیل میں سے ایک شخص نے اپنے چچازاد بھائی کا قتل کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس خود ہی مدعی بن کر مقتول کا قاتل پوچھنے لگا کہ اللہ سے اس متعلق رہنمائی حاصل کریں جس پر اللہ نے ان کو گائے ذبح کرنے کا حکم دیا۔ بنی اسرائیل کے افراد میں سبق ہے کہ کثرت سے سوالات بعض اوقات تنگی کا سبب بنتے ہیں اس لیے جتنا کہا جائے اتنا عمل کریں اور خصوصی طور پر صوفیاء بھی اپنے طالبین سے یہی چاہتے ہیں کہ تصوف میں بحث نہیں صرف حکم کا انتظار اور اس پر عمل۔ انسانی قلب انسانی خواہشات کی بناء پر مردہ ہو جاتے ہیں خواہشات کی بڑھوتری انسانی قلب پر غالب آجاتی ہے اور اس قلب کو زندہ کرنے کے لیے اللہ کے احکامات کو قبول کرتے ہوئے اپنی خواہشات کو قتل کریں۔ نیک اور پرہیزگار قلب کی زندگی اس میں ہے کہ دنیا کی طلب چھوڑ دو ایسے تمام افعال جو ذلت کا سبب بنے اس سے لاتعلقی ضروری ہوگی دنیا کا حصول زندگی کا سبب نہیں ہونا چاہیے۔ نفس صرف اور صرف اللہ کے تابع ہو اسی میں کسی دوسرے کی جگہ نہیں ہونی چاہیے اور اس کی مثال ان نیک اور متقی لوگوں کے چہروں کی مانند ہوں جو عبادات کی بدولت زرد پڑے ہوتے ہیں جن کو دیکھ کر ایمان تازہ ہوتا ہے۔ بنی اسرائیل کی گائے کا قتل ایک دفعہ کیا گیا لیکن آخرت اور اللہ کے طالب ہمیشہ اپنے نفس کو قتل کرتے رہیں گے اور ایک مسلسل عمل کا نام ہے اور اس کے لیے ریاضت ضروری ہے شریعت اور طریقت کے پانی سے اس طرح زندہ رکھنا ہوگا۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

---

[55] القشیری، مسلم بن حجاج، امام، الصحیح المسلم، رقم الحدیث، 6543، کتاب العبد۔
Al Qusēhrī, Muslīm Bin Hujāj, Al Sāhi Muslīm,Kitāb ul Adb, Riāz:Dāruslām,Hādīth Number,6543